عورت کی معاشی کفالت، سیرت طیبہ کی روشنی میں

Women's financial support in the light of seerah

☆ڈاکٹر عبد الماجد

Abstract:

In our society the difference between the people are natural like;

richness and poorness. God has the lonely power why he does so. In lieu of poverty to avoid from more birth of children is unlawful or great sin. Whoever nation has adopted or taken this step on birth control has a very adverse loop in history.In the light of Islamic thoughts wealth is the sole trust to the people. Islam does not make any difference between people especially economically. To bind the people, Islam advises to be happy, to build brotherhood and to be kind to all. These all worldly created problems can be solved through true "Shariah"Islam emphasis and advises us to care and help the needy and deserving people. Islam teaches us to acquire wealth through all legal means and spend on right path and does not allow for extra ordinary luxurious life and extra vagance. Islam has declared and made men responsible to secure women's all financial needs. Islam has not indulged women for any endeavor but given complete liberty but within limit. Islam has allowed women to involve in any legitimate work for her family but upon priority of her domestic job. Sahabiat were also involved in trade, farming and different handy work but spent all their income on her family and rest donated to Islamic cause.Islam gives women all legal rights and set their limits. Women can make their own property and also have right to spend their as per their wills.In the light of Sirat-un-Nabi all above thesis has been discussed that men are solely responsible for financial support to women.

Keywords: society, wealth, financial needs, legal rights

☆وائس پرنسپل، البیرونی انٹر میڈیٹ کالج، جامعۃ الرشید، احسن آباد، کراچی۔

انسانی معاشرے میں لوگوں کے درمیان معاشی تفاوت کا پایا جانا یعنی بعض کا صاحبِ ثروت و دولت اور امیر و غنی ہونا بعض کا ضرورت مند اور غریب و مفلس ہونا ایک فطری امر ہے اور اس میں خالق کائنات کی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔ کثرت اولاد کو روکنے جیسے اقدامات کرنا غیر فطری امر ہے، جن اقوام نے غربت کے خاتمے کے لیے ایسی تدابیر اختیار کیں وہ اپنا انجام بھگت رہے ہیں۔

چودہ سو سال قبل جب دنیا موجودہ وقت سے زیادہ غیر متمدّن اور ظلمت و جہالت کا شکار تھی، معاشرے کا ہر ہر شعبہ اِفراط و تفریط کا شکار ہو چکا تھا، غریب اور کمزوروں سے جینے کا حق چھین لیا گیا تھا، الغرض ہر شعبہ اور ہر طبقہ بہت زیادہ کسمپُرسی کا شکار ہو چکا تھا، اِن تمام حالات کے درمیان نظامِ معاش بھی ہر طرح کی ناہمواریوں کا شکار تھا۔

اسلام نے ہر میدان میں ایسا نظام پیش کیا کہ دنیا امن کا گہوارہ بن گئی، شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پر پانی پیتے نظر آنے لگے، امرا کو عزت ملی تو غریبوں کو سکون اور آسائش ملی، ہر فرد دوسرے کے غم کو اپنا غم اور دوسرے کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھنے لگا، حتی کہ پورا معاشرہ ایک جسدِ واحد کا نظارہ پیش کرنے لگا۔

اسلام کا نظامِ کفالت ایسا جامع نظام ہے جس میں بلا کسی تخصیص و امتیاز، معاشرے کے ہر فرد کو، کسی نہ کسی شکل میں اتنا سامانِ معاش ہر حال میں میسر ہو جائے، جس کے بغیر عام طور پر کوئی انسان نہ اطمینان کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہے اور نہ ہی اپنے متعلقہ فرائض و حقوق سر انجام دے سکتا ہے۔ اس نظام کے تحت ملکی و قومی دولت کی گردش کا دائرہ کار چند اغنیا اور بڑے مالدار لوگوں کے درمیان محدود نہ ہونے پائے کہ دوسرے ان کے رحم و کرم کے محتاج ہوں، بلکہ اس صورت میں تو اور بھی خصوصیت کے ساتھ اسلام اس بات کی تعلیم دیتا ہے، کہ معاشرے کے وہ افراد جو مسکین، محتاج اور نادار ہوں یا کسی طبعی عذر کی وجہ سے معذور ہوں، جس کی وجہ سے کوئی معاشی کام کرنے اور اپنے لیے خود روزی کمانے کے لائق نہ ہوں، یا مناسب روزگار نہ ملنے کی وجہ سے حالت ایسی ہو گئی ہو تو ایسے ضرورت مند افراد کی "معاشی کفالت" حکومت کی اولین ذمہ داریوں میں شامل ہے اور اسی طرح جو اُن کے عزیز و اقربا ہیں، اُن کے ذمہ اِن کی کفالت ہو گی اور معاشرے کے جو دیگر مال دار لوگ ہیں وہ صدقاتِ واجبہ و نافلہ اور عطیات سے ایسے افراد کی کفالت کا انتظام کریں گے۔

اسلامی نکتہ نظر سے دولت اللہ تعالیٰ کی ایک امانت ہے۔ اسلام نے حقِ معیشت میں بغیر کسی تفریق کے جملہ انسانوں کو برابر قرار دیا ہے۔ اس کے لئے اس نے بالعموم خوشدلانہ، رضاکارانہ اور برادرانہ مواسات یعنی باہمی ہمدردی و غمخواری کی تعلیمات سے کام لیا ہے۔ اس لئے غربت و افلاس کا مسئلہ شریعت محمدیہ کی انہی بے نظیر و بے مثال اور مؤثر تعلیمات سے حل ہو جاتا ہے۔

اسلام روزِ اول سے غربت اور اس کے علاج، غریبوں کے حقوق کی پاسداری اور روحانی کے ساتھ ساتھ ان کی مادی ضروریات کی کفالت پر بھی زور دیتا رہا ہے۔ اسلامی تعلیمات دولت کی پیداوار اور حصول سے لے کر معاشرے میں موزوں تقسیم اور خرچ تک کی ہدایات ارشاد فرماتا ہے۔ اس حوالے سے اسلام کا نظامِ اقتصاد کس وسعت اور گہرائی

کا حامل ہے؟ اس کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب قرون اولیٰ کے حقیقی معنوں میں اسلامی معاشی تعلیمات پر مبنی معاشروں کے احوال وواقعات سے آگاہی نصیب ہوتی ہے۔

قرآن پاک کا معاشی نظام سے متعلق اُسلوب

اسلام میں کمال حاصل کرنے کے لیے جن صفات کا ہونا ضروری ہے، اُن میں سے ایک صفت غرباء کو کھانا کھلانے کی تلقین بھی ہے:

أرء یت الذي یکذب بالدّین فذٰلک الذي یدع الیتیم ولا یحض علی طعام المسکین۔[1]

:"کیا تونے ایسے شخص کو دیکھا جو جزاو سزا کا منکر ہے؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی تلقین نہیں کرتا"۔

غریب کو خود کھانا کھلانے سے انکار تو دور کی بات ہے، یہاں تو اگر کوئی فرد کسی دوسرے متمول شخص کو کسی بھوکے شخص کو کھانا کھلانے کی تلقین نہیں کرتا تب بھی اسے صحیح اور کامل دین دار قرار نہیں دیا جارہا۔

ایک اور جگہ تو بہت سخت لہجے میں فرمایا گیا:

خذوہ فغلوہ ثم الجحیم صلّوہ ثم في سلسلة ذرعها سبعون ذراعاً فاسلکوہ إنه کان لا یوٴمن باللہ العظیم ولا یحض علی طعام المسکین۔2

"اسے پکڑو اور اس کے گلے میں طوق ڈالو، پھر اسے جہنم میں داخل کرو، پھر اسے ستر گز لمبی زنجیر میں جکڑ دو، یقینا یہ وہی ہے جو خدائے بزرگ وبرتر پر ایمان نہیں لایا تھا اور نہ ہی محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا"۔

ایک اور جگہ ایمان والوں کی صفات ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

ویطعمون الطعام علیٰ حبه مسکیناً و یتیماً وأسیراً۔3

"اور وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں (اپنا) کھانا مسکین، یتیم اور قیدی کو کھلاتے ہیں"۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

وفي أموالهم حقٌ معلومٌ للسائل والمحروم۔[4]

---

[1] -الماعون: ۱ تا ۳

[2] -الحاقة: ۳۰ تا ۳۴

[3] -۔الدھر: ۸

"ان کے اموال میں ایک مقررہ حصہ ہے، مانگنے والے کا اور ہارے ہوئے کا"۔

مذکورہ آیات میں امرا کے لیے ایک راہِ عمل متعین کر دی گئی اور پھر دوسرے طرز پر مقصد یہ بتایا گیا کہ:

كي لا يكون دولةً بين الأغنياء منكم۔[5]

"تاکہ وہ (دولت) تمہارے مال داروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتی رہے"۔

آیتِ کریمہ میں اسلامی معاشرے اور حکومت کی معاشی پالیسی کا یہ بنیادی قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ دولت کی گردش پورے معاشرے میں عام ہونی چاہیے، ایسا نہ ہو کہ مال صرف مال داروں میں ہی گھومتا رہے، یا امیر! روز بروز امیر تر اور غریب دن بدن غریب تر ہوتے چلے جائیں، اس مقصد کے لیے سود حرام کیا گیا، زکوٰۃ فرض کی گئی، مالِ غنیمت میں خمس مقرر کیا گیا، صدقات کی ترغیب دی گئی، مختلف قسم کے کفارات کی ایسی صورت تجویز کی گئی جن سے غریب افراد کی خاطر خواہ دل داری اور حاجت براری ہو سکے، میراث کا ایسا قانون بنایا گیا کہ ہر مرنے والے کی چھوڑی ہوئی دولت زیادہ سے زیادہ وسیع دائرے میں پھیل جائے، اخلاقی حیثیت سے بخل کو سخت قابلِ مذمت اور سخاوت و فیاضی کو بہترین صفت قرار دیا گیا، الغرض وہ تمام انتظامات کیے گئے کہ دولت پر بااثر لوگوں کی اجارہ داری قائم نہ ہو اور دولت کا بہاؤ امیروں سے غریبوں کی طرف بھی ہو جائے۔

احادیثِ مبارکہ کا معاشی نظام سے متعلق اُسلوب

سرمایہ دارانہ نظام کا خاصہ ہے کہ یہ افرادِ معاشرہ سے سخاوت کو بالکلیہ ہی ختم کر دیتا ہے، چناں چہ اِس نظام کی کسی بھی کتاب کو اُٹھا کے دیکھ لیا جائے کہ اس میں سخاوت و فیاضی کا کوئی ایک بھی عنوان ڈھونڈنے سے نہ مل سکے گا، اس کی وجہ یہی ہے کہ اس نظام کا خمیر ہی بخل اور امساک سے اٹھایا گیا ہے، جب کہ سخاوت و فیاضی کریمانہ اَخلاق کے وہ حصے ہیں جو اللہ رب العزت کی راہ میں خرچ کرنے سے فقرا و مساکین کی محبت، دنیاداری کی حقارت جیسی عمدہ روحانی غذا پاتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سخاوت و فیاضی کے اوصافِ حمیدہ کے ذریعے اپنے مال و دولت میں امت کے غربا اور بے کسوں کو بھی شامل فرمایا اور اِس طرح گردشِ دولت کی راہیں کشادہ کر دیں اور بخل و اِرتکازِ دولت کی عاداتِ رذیلہ کے مضر اثرات کو ختم فرمایا اور اِس خصلتِ حمیدہ میں امت کو بھی اپنے ساتھ شامل فرمایا، جابجا ان کی ذہن سازی کی، کبھی ترغیب کے ذریعے اور کبھی ترہیب کے ذریعے، لیکن اِن سب سے بڑھ کر خود آپ

---

4 ۔المعارج: ۲۵،۲۴

5 ۔الحشر: ۷

صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا پاکیزہ عمل، نمونہ تھا، جس کی ادنیٰ سی جھلک پہلی بار نازل ہونے والی وحی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر طاری ہونے والی گھبراہٹ کو دیکھ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

كلّا والله، ما يخزيك الله أبداً، إنك لَتصل الرحم، وتحمل الكلّ، وتكسب المعدوم وتقري الضيف وتعين على نوائب الحق [6]

"ہر گز نہیں! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کریں گے، آپ تو رشتوں کو جوڑنے والے ہیں، آپ تو کمزوروں، بے کسوں کا سہارا بنتے ہیں، جن کا کوئی کمانے والا نہیں آپ اُن کو کما کر کھلاتے ہیں، ناتواؤں کے بوجھ اُٹھاتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور آفت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں"۔

یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ عالیہ کی ایک ادنیٰ سی جھلک ہے، ورنہ تو پوری حیاتِ طیبہ یہی اُسوہ پیش کرتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أيما أهل عرصة أصبح فيهم امرء جائعاً فقد برئت منهم ذمة الله۔7

"کسی بھی بستی میں کوئی شخص اس حال میں صبح کرے کہ وہ رات بھر بھوکا رہا ہو، تو اللہ رب العزت کا ذمہ اس بستی سے بری ہے"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غربا کی امداد کی اس قدر ترغیب دی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے کہ ہمارے پاس جو زائد اموال ہیں ان میں ہمارا کوئی حق نہیں ہے:

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال:بينما نحن في سفر مع النبي صلى الله عليه وسلم إذ جاء رجل على راحلة له، فجعل يصرف بصره يميناً وشمالاً، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :"من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له، ومن كان له فضل من زادٍ ، فليعد به على من لا زاد له"، فذكر من أصناف المال ما ذكر حتى رأينا أنه لا حق لأحدٍ منّا في فضلٍ۔8

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم راہ ایک سفر میں تھے کہ ایک شخص آیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس

---

6 ۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب بدء الوحي، رقم الحدیث:3،7/ 1، دار طوق النجاۃ، الطاف اینڈ سنز، کراچی، ١٤٢٩ھ۔٢٠٠٩ء

7 ۔ امام ابی عبد اللہ، المستدرک علی الصحیحین، کتاب البیوع، رقم الحدیث:14، 2165/ 2 دار المعرفہ، ، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان۔

8 ۔ ابو زکریا یحیی بن شرف الدمشقی، ریاض الصالحین، باب الإیثار والمواساۃ رقم الحدیث:566، ص:173، دار السلام

زائد سواری ہو وہ اُسے دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس کے پاس ضرورت سے زائد زادِ راہ ہو تو وہ (اُس توشے کو) اُسے دے دے جس کے پاس زادِ راہ نہ ہو، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف انواع کے اموال (اسی طرح اوروں کو دینے) کا ذکر فرماتے رہے کہ ہم (میں سے ہر ایک) نے گمان کر لیا کہ ہم میں سے کسی کو بھی اپنے ضرورت سے زائد مال پر کوئی حق نہیں"۔

ایک اور حدیث شریف میں ارشاد فرمایا:

من كان عنده طعام إثنين فليذهب بثالث، فإن أربع فخامس، أو سادس۔[9]

جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے آدمی کو اپنا مہمان بنالے اور اگر چار (آدمیوں) کا کھانا ہو تو پانچوے یا چھٹے کو (اپنا مہمان بنالے)"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ:

طعام الإثنين كافي الثلاثة و طعام الثلاثة كافي الأربعة۔10

"دو افراد کا کھانا تین افراد کو کفایت کر جائے گا اور تین کا کھانا چار کو کفایت کر جائے گا"۔

کفالت کے اس سلسلے کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

عن جابر رضى الله عنه يقول:سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:"طعام الواحد يكفي الإثنين، وطعام الإثنين يكفي الأربعة، وطعام الأربعة يكفي الثمانية۔[11]

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ایک فرد کا کھانا دو کے لیے کافی ہو جائے گا، دو کا کھانا چار افراد کے لیے کافی ہو جائے گا اور اسی طرح چار افراد کا کھانا آٹھ افراد کے لیے کافی ہو سکتا ہے"۔

9 ۔ بخاری، کتاب الھبہ، رقم الحدیث: 2581، 156/1

10 ۔ ریاض الصالحین، باب الإیثار والمواساۃ، رقم الحدیث: 565، ص: 173، دار السلام

11 ۔ مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری، الصحیح للمسلم، کتاب الأشربۃ، باب فضیلۃ المواساۃ، رقم الحدیث: 5489، 132/2، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور۔

یہ ہیں وہ تعلیمات جو اسلام کی جامعیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں، جن پر عمل پیرا ہو کر یہ امت وحدتِ امت کا نمونہ پیش کر سکتی ہے، یہ تصور امت کے اندر سے منافرت کی بوتک مٹا دیتا ہے اور امت مسلمہ کو یک جان کر دیتا ہے، اس کی بہت ہی دل کش تعبیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے:

مثل المؤمنين في توادّهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد إذا اشتكى منه عضوٌ تداعىٰ له سائر الجسم بالسهر والحمىٰ۔12

"مؤمنین کی مثال ان کے آپس میں محبت و شفقت، اُنس و مودت اور لطف و کرم میں ایک جسم کی مانند ہے، جس کے ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارا جسم بیداری اور بخار میں اس کا شریک ہوتا ہے"۔ اس سے اندازہ کر لینا چاہیے کہ کیا مغرب کا پیش کردہ نظامِ انشورنس اسلام کے نظامِ کفالت عامہ کے برابر ہو سکتا ہے؟!

اس کے علاوہ اور بہت سی روایات و آثار اس بارے میں منقول ہیں، مثلاً:

عن أبي عبيدة بن الجراح وثلث مائة من الصحابة أن زادهم فني، فأمرهم أبو عبيدة، فأجمعوا أزوادهم في مزودين و جعل يقوتهم إياها على السواء۔13

"حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق یہ روایت درجہ صحت کو پہنچتی ہے کہ (ایک مرتبہ) ان کا سامانِ خورد و نوش ختم ہونے کے قریب آ گا تو حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ جس جس کے پاس جس قدر ہے، وہ حاضر کرے اور پھر سب کو یک جا کیا اور ان سب میں برابر تقسیم کر کے سب کو "قوت لایموت" کا سامان مہیا کر دیا"۔

وعن أبي موسىٰ رضى الله عنه، قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:"إن الأشعريين إذا أرملوا في الغزو، أو قلّ طعام عيالهم بالمدينة ، جمعوا ما كان عندهم في ثوب واحدٍ، ثم اقتسموه بينهم في إناءٍ واحدٍ بالسوية، فهم مني وأنا منهم۔[14]

---

12 ۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تراحم المؤمنین، رقم الحدیث:20،6751/8

13 ۔ ابن حزم، المحلّی، کتاب الزکاۃ، ج۴، ص ۲۸۳، دار الکتب العلمیۃ

14 ۔ ریاض الصالحین، باب الإیثار والمواساۃ، رقم الحدیث:568، ص:173، دار السلام

اس حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعری قبیلہ والوں کی اس وجہ سے تعریف کی کہ جب کبھی سفر حضر میں ان کے ہاں غلہ کی کمی ہو جاتی تو وہ اپنا غلہ ایک کپڑے میں جمع کر دیتے اور پھر برابر تقسیم کر لیتے، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں خوش ہو کر فرمایا "وہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں"۔

المحلی بالآثار" میں علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ "اس بات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص بھوکا ننگا یا ضروریاتِ زندگی سے محروم ہے تو مال دار کے خاص مال میں سے اس کی کفالت کرنا فرض ہے۔[15]

اسلام کا اقتصادی نظام" میں حضرت مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ تمام آئمہ مجتہدین کا بھی یہی مسلک ہے۔[16]

انسانی حقوق میں عورت کا مقام

بنیادی انسانی حقوق کے بارے میں قرآن نے واضح کر دیا کہ اس میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں: لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ۔17۔ جتنا حق مردوں کا ہے، اتنا ہی عورتوں کا ہے۔ عورت کو حق دیا گیا کہ وہ خود اپنی رضامندی سے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔[18] اسے یہ بھی حق دیا گیا کہ اگر رشتہ کا نباہ دشوار ہو جائے تو وہ شوہر سے علاحدگی حاصل کر سکتی ہے، بیوہ اور طلاق شدہ عورتوں کے نکاح کی ترغیب دی گئی۔[19] اس کو بہت سی ذمہ داریوں سے فارغ رکھا گیا؛ چنانچہ والدین اور بچوں کی کفالت کی ذمہ داری مردوں پر رکھی گئی اور عورت کی معاشی ذمہ داریاں بھی باپ اور شوہر پر رکھی گئیں ؛ تاکہ وہ کسب معاش پر مجبور نہ ہو، اس کو اپنی جائداد میں تصرف کا پورا پورا حق دیا گیا، نہ اس کا باپ بلا اجازت اس کے مال میں تصرف کر سکتا ہے نہ شوہر اور نہ بیٹا۔ اسے مردوں سے بڑھ کر عزت دی گئی، آپ ﷺ نے باپ کے بارے میں فرمایا کہ وہ جنت کا دروازہ ہے۔[20] اور ماں کے بارے میں کہا کہ اس کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔[21]

---

15 ۔ المحلی، کتاب الزکاۃ، ج ۴، ص ۲۸۳

16 ۔ سیوہاروی، حفظ الرحمان، اسلام کا اقتصادی نظام، ص:46، ندوۃ المصنفین

17 ۔ البقرۃ:۲۲۸

18 ۔ البقرۃ:۲۳۲

19 ۔ النور:۳۴

20 ۔ ترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسی، جامع الترمذی، رقم الحدیث:۱۹۰۰، الطاف اینڈ سنز، کراچی، ۱۴۳۰ھ۔۲۰۰۹ء

21 ۔ نسائی، ابوعبد الرحمان بن شعیب، سنن نسائی، رقم الحدیث:۳۱۰۴

بیوی کے بارے میں فرمایا گیا: کہ تم میں بہترین شخص وہ ہے جس کے اخلاق بہتر ہوں اور سب سے بہتر اخلاق والا وہ ہے، جس کا اپنی بیوی کے ساتھ سلوک اچھا ہو۔[22] نیز بیوی کو گھر کی مالکہ قرار دیا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: عورت اپنے شوہر کے گھر کی انچارج ہے: "المرأة راعية على بيت زوجها"۔[23] آپ ﷺ نے بیٹی کے بارے میں فرمایا کہ جس شخص کی ایک یا دو یا اس سے زیادہ بیٹیاں ہوں اور وہ بیٹوں کے مقابلے میں ان کو کمتر سمجھے بغیر ان کی پرورش کرے، وہ اور مَیں جنت میں اس طرح ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں۔[24] بیٹوں کی پرورش پر آپ ﷺ نے یہ فضیلت بیان نہیں فرمائی، اسلام کی ان تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ یا تو اسلام سے پہلے لوگ بیٹیوں کو دفن کر دیتے تھے، یا پھر یہ ہوا کہ اگر کوئی لڑکی سرپرست سے محروم ہو جاتی تو کئی لوگ اپنا مقدمہ پیش کرتے کہ ہمیں اس کی پرورش اور کفالت کا حق دیا جائے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کو خواتین کا اس درجہ لحاظ تھا کہ وفات سے پہلے آپ ﷺ نے جو نصیحتیں فرمائیں، ان میں ایک یہ تھی کہ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔[25]

ملکیت میں عورت کا حق

انسان جو حقوق حاصل کرنا اور انھیں اپنے لیے محفوظ رکھنا چاہتا ہے، ان میں سے ایک حق ملکیت ہے۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے زندگی کی آسائشیں حاصل رہیں، اس کے پاس مال و دولت کا وافر حصہ ہو، جس کے ذریعہ اس کی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل ہو سکے۔ اس پر اسے نہ صرف مالکانہ حق حاصل ہو بلکہ اس میں تصرف کرنے کی بھی پوری پوری آزادی ہو۔ اسلام نے انسان کا یہ حق تسلیم کیا ہے اور اس معاملے میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی ہے۔

وراثت میں عورت کا حق

اسلام نے وراثت میں عورت کا حصہ اس زمانے متعین کیا ہے، جب کہ وہ اس سے بالکلیہ محروم تھیں اور اسے صرف نرینہ اولاد کا حق سمجھا جاتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اکیسویں صدی میں بھی بہت سے سماج عورت کو وراثت میں حصہ دینے

---

22 ۔ترمذی، رقم الحدیث:۳۸۹۵

23 ۔بخاری، رقم الحدیث:۵۲۰۰

24 ۔ترمذی، ابواب البر والصلۃ، رقم الحدیث:۱۹۱۴

25 ۔ترمذی رقم الحدیث،:۱۱۶۳

کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اسلام کا قانون یہ ہے کہ لڑکی کے پیدا ہوتے ہی وراثت میں اس کا استحقاق بن جاتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر کسی لڑکی کے زندہ پیدا ہونے کے تھوڑی دیر کے بعد اس کے باپ کا انتقال ہو گیا تو وہ بھی مستحق وراثت ہو گی۔ مال وراثت میں عورت کا استحاق قرآن مجید میں بہت دل کش اسلوب میں بیان کیا گیا ہے::

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءنَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيْباً مَّفْرُوضا۔26

"مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتے داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتے داروں نے چھوڑا ہے، خواہ تھوڑا ہو یا بہت اور یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے"۔

: اس آیت میں تین باتیں توجہ طلب ہیں

۱۔ اس آیت میں مردوں کی طرح عورتوں کے بھی مستحق میراث ہونے کی صراحت کی گئی ہے اور بہ طور خاص عورتوں کا تذکرہ الگ سے کیا گیا ہے۔

۲۔ یہ صراحت کی گئی ہے کہ چاہے مالِ وراثت کی مقدار کم سے کم ہو یا زیادہ سے زیادہ، اسے ہر حال میں تقسیم ہونا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر وراثت میں وہ چیزیں ہوں جو صرف مردوں کے کام آتی ہیں تب بھی ان میں سے عورتوں کا حصہ ساقط نہیں ہو گا۔

۳۔ صاف الفاظ میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ وراثت کی یہ تقسیم اختیاری اور استحبابی نہیں ہے بلکہ لازمی ہے۔ عورتوں کو بھی وراثت دی جانی ضروری ہے اور اس کی تقسیم کے مطابق جو قرآن میں بیان کیا گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسے فرض کیا گیا ہے۔

میراث میں عورت کا حصہ

: اسلام کے قوانین میراث میں عورت کی شمولیت کی بہت اہمیت ہے۔

۱۔ جو رشتے دار کسی حال میں بھی محروم نہیں ہوتے، ان میں تین مرد ہیں (باپ، بیٹا، شوہر) اور تین عورتیں (ماں، بیٹی، بیوی) ہیں۔

---

[26] ۔النساء:۷

۲۔ تقسیم میراث میں جن رشتے داروں کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے، انھیں ذوی الفروض کہتے ہیں۔ یعنی جن کے حصے مقرر ہیں۔ مرد کا شمار چھ حالتوں میں ذوی الفروض میں ہوتا ہے، جب کہ عورت سترہ (۱۷) حالتوں میں ذوی الفروض میں شامل ہے ہو کر مستحق میراث بنتی ہے۔

۳۔ مالِ وراثت اس کتاب سے تقسیم نہیں ہوتا: دو تہائی، نصف، چوتھائی، چھٹا حصہ، آٹھواں حصہ، دو تہائی حصہ کسی مرد کو نہیں ملتا، جب کہ عورت چاروں حالتوں میں حصہ پاتی ہے۔ نصف حصہ صرف ایک مرد (لاولد شوہر) پاتا ہے، جب کہ چار طرح کی عورتیں یہ حصہ پاتی ہیں۔

۴۔ تقسیم وراثت کی مختلف صورتوں میں عورت کا حصہ مرد سے زیادہ ہوتا ہے اور متعدد صورتوں میں مرد کے برابر۔ صرف چند صورتوں میں اس کا حصہ ہم درجہ مرد کے مقابلے میں نصف ہوتا ہے۔ لیکن یہ تفریق جنس کی بنیاد پر نہیں، بلکہ نظام خاندان میں مالی ذمہ داریوں کی بنا پر ہے۔ عورت کو جو کچھ ملے اسے کہیں نہیں خرچ کرنا ہے اور مرد کو جو کچھ ملے اس کے ذریعے اسے اپنے بیوی بچوں اور ماں باپ کی کفالت کرنی ہوتی ہے۔ اس بنا پر اگر مرد اور عورت کا حصہ برابر کر دیا جائے تو یہ مرد کی حق تلفی ہوئی۔

مہر کی ملکیت اور اس میں تصرف کا حق

اسلام کی ایک تعلیم یہ ہے کہ نکاح کے وقت عورت کو مہر ادا کیا جائے۔ مہر نہ عورت کی خدمات کا معاوضہ ہے، نہ اس سے لطف اندوزی کی فیس، بلکہ مہر عورت کو دیا جانے والا ایک اعزاز ہے۔ مہر نکاح کے واجبات میں سے ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کی ادائیگی کی بہت تاکید کی گئی ہے اور شوہر کو اس کا پابند کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَآتُواْ النَّسَاء صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْساً فَكُلُوهُ هَنِيئاً مَّرِيئاً[27]

اور عورتوں کے مہر خوش دلی کے ساتھ (فرض جانتے ہوئے) ادا کرو، البتہ اگر وہ خود اپنی خوشی سے مہر کا کوئی حصہ تمھیں معاف کر دیں تو اسے تم مزے سے کھا سکتے ہو"۔

درج بالا آیت میں 'نِحلۃ' کا ترجمہ 'خوش دلی' کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض مفسرین کے نزدیک یہ فریضہ کے معنی میں ہے۔ اس لیے فقہاء نے مہر مقرر کرنے اور اسے ادا کرنے کو واجب قرار دیا ہے۔ اگر کوئی شخص بغیر کچھ مہر طے کیے

---

[27] ۔النساء ۴:

ہوئے یا کچھ مہر نہ دینے کی شرط پر نکاح کر لے، تب بھی اس پر عورت کو 'مہر مثل' (جتنا مہر عورت کے خاندان میں رائج ہو) ادا کرنا واجب ہے۔

اس آیت میں عورت کے مہر کے مالک ہونے اور اس میں تصرف کرنے دونوں حقوق بیان کیے گئے ہیں۔ عورت مہر میں جو کچھ پائے اسے اس پر پورا اختیار ہے کہ اسے جہاں چاہے خرچ کرے۔ اس کا استعمال اپنی ذات پر کرے، اپنے ماں باپ اور دوسرے رشتے داروں کو ہبہ کرے یا اس کا صدقہ خیرات کر دے، کسی بھی صورت میں شوہر کو اس پر اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح عورت کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ وقت ضرورت مالِ مہر میں سے کچھ رقم شوہر کو واپس کر دے یا اگر ابھی وہ پورا نہیں کر پایا ہے جو اس کا کچھ حصہ معاف کر دے۔ لیکن بہر حال شوہر کے لیے کسی بھی صورت میں دھونس دھمکی کے ذریعے، بیوی کی مرضی کے بغیر، مال مہر پر قبضہ کرنے، اس میں اپنی مرضی سے تصرف کرنے یا اگر ابھی اس کی ادائیگی نہ کی ہو تو اسے بیوی سے معاف کرا لینے کا حق نہیں ہے۔ علامہ محمد رشید رضا نے لکھا ہے:

لایجوز للرّجل أن یأخذ منها شیئاً الاّ برضاها من غیر ایذاء منه ولا مضارة"۔[28]

" مرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ مہر میں سے کچھ عورت کی مرضی کے بغیر لے لے۔ ایسا کرنے کے لیے اسے عورت کو اذیت دینے اور ضرر پہنچانے کی اجازت نہیں"۔

شریعت نے مہر کی کوئی مقدار متعین نہیں کی ہے۔ وہ کم سے کم بھی ہو سکتی ہے اور زیادہ سے زیادہ بھی۔ قرآن کریم کی ایک آیت سے اشارہ ملتا ہے کہ مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار متعین کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے::

وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَاراً فَلاَ تَأْخُذُواْ مِنْهُ شَيْئاً أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَاناً وَإِثْماً مُّبِيْناً29

"اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لے آنے کا ارادہ ہی کر لو تو خواہ تم نے اسے ڈھیر سا مال ہی کیوں نہ دیا ہو، اس میں سے کچھ واپس نہ لینا۔ کیا تم اسے بہتان لگا کر اور صریح ظلم کر کے واپس لو گے؟ اور آخر تم کس طرح لے لو گے جب کہ تم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہے"۔

---

[28] ۔ تفسیر المنار، ۳۸۹/۲

[29] ۔النساء:۲۰

نفقہ کا حق اور اس کی ملکیت

اسلام نے خاندانی نظام اس طرح استوار کیا ہے کہ بیوی پر اندورنی خانہ رہ کر گھر کی دیکھ بال، شوہر کی خدمت اور بچوں کی پرورش و پرداخت کی ذمہ داری ڈالی ہے اور شوہر کو بیوی کے نفقہ، سکنیٰ اور دیگر ضروریاتِ زندگی فراہم کرنے کا پابند کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاء بِمَا فَضَّلَ اللّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُواْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ[30]

"مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بناپر کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بناپر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں"۔

وَعلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوف[31]

"بچے کے باپ کو معروف طریقے سے کھانا، کپڑا دینا ہوگا"۔

بیوی ہی نہیں، بلکہ دیگر خواتین (بیٹی، بہن، ماں) کی کفالت کی ذمہ داری مردوں پر عائد کی گئی ہے۔ بیٹی کی جب تک

صاحب حیثیت ہو تو بہن کی کفالت اس کے ذمے ہے، اسی طرح ماں باپ کی مالی ضروریات پوری کرنا بیٹے پر لازم ہے۔ ان تمام صورتوں میں کسی عورت کو جو کچھ دیا جائے اور وہ اس میں سے کچھ پس انداز کرلے تو اس کی وہ مالک ہوگی۔ دینے والے مرد کو اسے واپس لینے کا حق نہ ہوگا۔

عورت کا کسب معاش

اسلام نے عورت کو نہ گھر میں قید کیا ہے اور نہ ہی اس کے لیے کسبِ معاش کا دروازہ بند کیا ہے۔ لڑکی شادی سے قبل باپ یا سرپرست کی اجازت سے اور شادی کے بعد اپنے شوہر کی اجازت سے معاشی سرگرمی انجام دے سکتی ہے۔ کسب معاش کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہو سکتی ہیں: ایک براہِ راست معاشی سرگرمی کے ذریعہ اور دوسرے بالواسطہ سرمایہ کاری کے ذریعہ۔ عورت ان دونوں صورتوں کو اختیار کر سکتی ہے، وہ خرید و فروخت کر سکتی ہے، کاشت کاری کر سکتی ہے، صنعت و حرفت میں مصروف ہو سکتی ہے اور اپنی کسی جائداد مکان، دوکان وغیرہ کو کرایہ پر

[30] ۔النساء:۳۴

[31] ۔البقرۃ:۲۳۳

اٹھاسکتی ہے۔ حدود شرع کی پابندی کرتے ہوئے وہ کہیں ملازمت کرسکتی ہے، کاشت کاری کرسکتی ہے، کسی کمپنی میں اپنا سرمایہ لگاسکتی ہے اور اس کے شیر خرید سکتی ہے، اپنی مزروعہ زمین کو زمین بٹائی پر لگاکر پیداوار کی شکل میں منافع حاصل کرسکتی ہے۔ ان تمام صورتوں میں عورت جو کچھ کمائے گی اس کی وہ خود مالک ہوگی، شوہر کو اس پر قبضہ کرنے کا حق نہ ہوگا۔ ایسی عورت کے مال دار ہونے کے باوجود شوہر پر اس کے اور اس کے بچوں کے اخراجات کی تکمیل واجب ہوگی۔

مال میں تصرف کرنے کا حق

عورت جس مال کی مالک ہے، اسلام نے اس میں تصرف کرنے کا پورا اختیار دیا ہے۔ وہ اسے فروخت کرسکتی ہے، کرایہ پر لگاسکتی ہے، عاریت میں دے سکتی ہے، اس کا ہدیہ کرسکتی ہے، اسے وقف کرسکتی ہے، اسے بطور صدقہ وخیرات خرچ کرسکتی ہے۔ اس کے اولیاء، ماں باپ، شوہر، بیٹے وغیرہ حسب ضرورت موقع اسے مناسب مشورہ تو دے سکتے ہیں، لیکن اس پر اپنی مرضی نہیں تھوپ سکتے۔ وہ اس معاملے میں کوئی فیصلہ کرنے کی پورے طور پر مجاز ہے۔

سورۂ احزاب میں اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے دس (۱۰) اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيْماً۔[32] ان میں سے ایک وصف صدقہ کرنا بھی ہے۔ کہا گیا ہے:

وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ[33]

"صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں"۔

عہد نبویؐ میں متعدد واقعات کتب حدیث وسیرت میں ایسے ملتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خواتین کے مجمع میں خطاب فرمایا اور انھیں صدقہ وخیرات کی ترغیب دی۔ اس سے خواتین نے اپنی مملوکہ چیزیں، نقدی، حتی کے زیب وزینت کے زیورات ان کے بدن پر تھے، انھیں بھی خیرات کر دیا۔

---

32 ۔الاحزاب:۲۵

33 ۔الاحزاب:۳۵

ایک مرتبہ عید کے موقع پر آپؐ نے خاص طور پر عورتوں کے مجمع میں جا کر ان سے خطاب کیا اور انھیں صدقہ کی تلقین کی۔اس وقت حضرت بلالؓ آپ کے ساتھ تھے۔انھوں اپنا کپڑا اچھیلایا اور عورتیں اپنے زیورات اتار اتار کر اس میں ڈالنے لگیں۔[34]

حضرت زینب بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ہم عورتوں سے خطاب کیا اور فرمایا :

یا معشر النساء تصدّقن ولو من حلیکن۔35

"اے عورتوں ک جماعت! صدقہ کیا کرو چیسے اپنے زیورات ہی میں سے۔"

عہد نبوی میں خواتین صدقہ وخیرات کے معاملے میں پوری طرح آزاد اور بااختیار تھیں۔کتب احادیث میں خواتین کو رسول اللہ ﷺ کی ترغیبات اور ان کی طرف سے ان پر آزادانہ عمل کے انفرادی واقعات کثرت سے ملتے ہیں۔

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کا نکاح حضرت زبیر بن العوامؓ سے ہوا تھا۔وہ مال دار نہ تھے، زندگی تنگی ترشی سے گزرتی تھی۔ایک مرتبہ حضرت اسماءؓ کے پاس کہیں سے کچھ رقم آگئی وہ اسے لیے بیٹھی تھیں کہ ان کے شوہر گھر میں داخل ہوئے۔انھوں نے کہا یہ رقم مجھے دے دو۔وہ بولیں اسے تو میں نے صدقہ کر دیا۔[36]

عورت کے حق تصرف کے سلسلے میں فقہاء کا کچھ اختلاف ہے، لیکن وہ بہت معمولی ہے۔لڑکی کی شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، بالغ ہے تو احناف، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک لڑکے کی طرح اسے بھی ہر طرح کا تصرف کرنے (مثلاً خرید وفروخت اور ہبہ کرنے) کا اختیار ہے۔امام مالکؒ اس سلسلے میں کچھ پابندی عائد کرتے ہیں۔ان کے نزدیک لڑکی کو یہ اختیار اس کا نکاح ہو جانے اور ماں بننے کے بعد دیا جائے گا، دوسرے وہ شوہر کی اجازت کے بغیر اپنا ایک تہائی سے زیادہ مال ہبہ یا صدقہ نہیں کر سکتی۔

مناسب یہ ہے کہ اس اختلاف کو جواز یا عدم جواز کے دائرے میں نہیں بلکہ استحباب کی حد تک رکھا جائے۔اس کا مقصد عورت کی آزادی کو محدود کرنا اور اس پر پابندی عائد کرنا نہیں، بلکہ اس کے مال کی حفاظت کرنا اور اسے ضائع ہونے سے بچانا ہے۔

اسلام کا امتیاز

---

34 ۔بخاری، کتاب العیدین، رقم الحدیث:۹۷۹

35 ۔ مسلم، باب فضل النفقہ، رقم الحدیث:۱۰۰۰

36 ۔ مسلم، کتاب الآداب والسلام، رقم الحدیث:۲۱۸۲

عورت کو ملکیت کا حق دینا اسلام کا ایک ایسا امتیاز ہے، جس کی نظیر دنیا کے کسی مذہب اور تہذیب میں نہیں ملتی۔ بہت سے مذاہب اور تہذیبوں میں لڑکی کو باپ کا، بیوی کو شوہر کا اور ماں کو بیٹے کا پابند بنایا گیا ہے۔ اسے ملکیت کا حق کیا دیا جاتا ہے، بلکہ خود اس کے وجود کو مال کی حیثیت دی گئی ہے، جس میں تصرف کرنے اور اس پر اپنی مرضی تھوپنے کا دوسروں کو اختیار دیا گیا ہے۔ یورپ میں نشاۃ ثانیہ کے بعد بھی عورت کو اپنے دیگر حقوق کی طرح ملکیت سے بھی محروم رہی، یہاں تک کہ حقوق نسواں کی تحریکیں اٹھیں، زبردست احتجاج اور مظاہرے ہوئے، عورتوں سے اپنی طاقت دکھائی، تب جا کر ۱۹۵۰ء میں انگلینڈ نے، ۱۹۰۰ء میں جرمنی نے، ۱۹۱۹ء میں اٹلی نے اور بعد میں دیگر ممالک نے ان کے حق ملکیت کی قانون سازی کی۔ اس کے برعکس اسلام عورتوں کو یہ حق پندرہ سو برس قبل دے چکا ہے۔ اسلام نے مرد اور عورت دونوں کو ان کی ساخت اور بناوٹ کے اعتبار سے گھر اور باہر کی ذمے داریاں سونپی ہیں۔ مردوں کو ان کی حفاظت و نگرانی کرنے اور ان کی معاشی و دیگر ضروریات کی فراہمی کا ذمے دار بنایا۔ یہ خداوند قدوس کی مہربانی ہے کہ اس نے عورت پر معاشی تگ ودو اور باہر کی سیاسی و سماجی ذمے داریاں نہیں ڈالی ہیں۔ قرآن و سنت کی تعلیمات میں کہیں ایسا اشارہ تک نہیں ملتا کہ عورت کو کسی کا کفیل بنایا گیا ہو۔ اگر کسی عورت کے خاندان میں کوئی فرد بھی ایسا نہیں جو اس کی کفالت کر سکے تو حکومت پر اس کی ذمے داری عائد کر دی گئی۔ اگر عورت شریعت کے تمام حدود کی پابندی کرتے ہوئے اور اپنی گھریلو ذمے داریوں کو انجام دیتے ہوئے کسب معاش میں حصہ لے تو قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق نہ اس پر پابندی عائد کی گئی نہ ناپسندیدہ قرار دیا گیا۔ لیکن اس سلسلے میں شرعی امور جیسے پردہ وغیرہ کی پابندی اور غیر مردوں سے ربط ضبط میں احتیاط لازمی ہے۔ اگر گھر میں رہتے ہوئے وہ حصول معاش کے ذرائع تلاش کرتی ہیں تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

خلاصہ کلام

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ سے ملنے والا نظام اعتدال و توازن کا حامل ہے۔ جہاں نہ تو انفرادی ملکیت کی نفی کر کے فرد کو اجتماع کے سامنے بے بس اور بے اختیار کر دیا گیا ہے اور نہ ہی انفرادی ملکیت کو وہ لامحدودیت دی گئی ہے کہ جس سے معاشرے میں ارتکاز و اکتناز کا وہ لامحدود سلسلہ شروع ہو جائے کہ دولت چند ہاتھوں میں ہی مرتکز ہو کر رہ جائے بلکہ اسلام نے انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کو تصورِ امانت سے بدلا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تعلیمات سے اس تصور کو وہ علمی اور فکری وضاحت عطا فرمائی جس کا عملی نمونہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں نظر آتا ہے۔ جنھوں نے صاحب ثروت ہوتے ہوئے اپنے وسائل اور معاشی ذخائر معاشرے کی فلاح و بہبود، دینِ حق کے ابلاغ و استحکام اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کی جدوجہد کے فروغ و نفوذ کے لئے وقف کیا۔ نتیجتاً پورا معاشرہ ایک ایسے معاشی اور معاشرتی عدل کا مرقع بن گیا کہ تاریخ میں چشمِ عالم نے وہ نظارہ بھی دیکھا کہ پورے معاشرے میں کہیں بھی کوئی معاشی تعطل کا شکار یا محرومی میں مبتلا فرد موجود نہ تھا۔ آج جبکہ انسانیت دیگر دائرہ ہائے حیات کی طرح معاشی دائرہ میں مسائل کا شکار ہے۔ آج سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی وہ راہنمائی مل سکتی ہے جسے لے کر ہم اس مثالی نظام کی طرف بڑھ سکیں جس کا نظارہ دورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دورِ خلافتِ راشدہ میں ہو چکا ہے۔